حضرتِ یوسف (علیہ السلام) کی عصمت

قرآنِ عزیز کی روشنی میں

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ (یوسف)

تمہید برہان کی گذشتہ اشاعتوں میں "عصمتِ انبیاء" سے متعلق متعدد انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر قرآن عزیز کی روشنی میں بحث ہو چکی ہے، اور قرآنی دلائل سے واضح کیا جا چکا ہے کہ انبیاء کی معصومیت کا عقیدہ "ضروریاتِ دین" کا جزوِ اعظم بلکہ تعلیماتِ الٰہیہ کی بنیاد ہے۔ اور اس کے ثبوت کے لیے نصوصِ قرآنی کی ناقابلِ انکار شہادتیں موجود ہیں۔

آج کی صحبت میں بھی اسی سلسلہ کا ایک اہم واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ واقعہ کا تعلق حضرت یوسف علیہ السلام کے اس قضیہ سے ہے جو ان کو عزیزِ مصر کی بیوی کے ساتھ پیش آیا۔ عنوان میں پیش کردہ آیت اگرچہ اپنے صاف اور سادہ معنی کے اعتبار سے ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک ہے لیکن بعض علماء کی نحوی موشگافیوں، اور بعض غلط و پر از خرافات روایتوں کی بدولت یہ آیت بحث و جدل کی آماجگاہ بن گئی ہے۔

آیت کے غلط معنیٰ مفسرین کے ایک طبقہ نے نقل روایات کی بے احتیاطیوں میں کچھ اس طرح سرگرمی دکھائی ہے کہ اسرائیلیات، اور اسلام دشمنی کے پیشِ نظر یہود کی خود ساختہ روایات تک کو بے تکلف اس طرح نقل کر دیا گیا ہے کہ گویا وہ صحیح و مستند روایات ہیں اور اس سے

بالکل قطع نظر کرلی گئی کہ ان گمراہ کن روایات سے جنہیں جھوٹ کی پوٹ کہنا زیادہ موزوں ہے عصمتِ انبیاء کے بنیادی عقیدہ پر کس قدر زد پڑتی ہے۔

اس سے بھی زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ نقل روایات کے بعد اگر اُن کو یہ احساس ہوتا بھی ہے کہ ایسی روایتوں سے عصمتِ انبیاء کا عقیدہ مجروح ہوتا ہے تو وہ ان روایات کا انکار نہیں کرتے بلکہ دور از کار تاویلات کی پناہ لیتے ہیں، اور ایک صاف اور روشن مسئلہ کو زیادہ سے زیادہ پیچیدہ بنا دیتے ہیں اور اس طرح سلیم الطبع انسان کے لیے ناقابل برداشت حد تک الجھنیں پیدا کر دیتے ہیں۔ مذکورہ بالا آیت کے ساتھ بھی یہی سب کچھ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان حضرات کے خیال کے مطابق اس آیت کا ترجمہ یہ ہے :۔

> بلاشبہ عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف سے ارادۂ بد کیا، اور حضرت یوسف نے عزیز مصر کی بیوی سے۔ اور اگر حضرت یوسف خدا کی دلیل کو نہ دیکھ لیتے تو وہ اس کار بد کو کر گزرتے۔

اس غلط اور گمراہ کر دینے والے معنی کے لیے نحو کے جس قاعدہ کا سہارا لیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ عربی گرامر کے مطابق حرف شرط "لو" کا جواب مقدم نہیں ہوتا اس لیے اس کا جواب محذوف ہے۔ اور وہ جملہ لفعل ہے۔ اور اس طرح آیت کی نحوی نشست یوں سمجھنی چاہیے :۔

وھمّت بہ (اور عورت نے یوسف سے ارادہ کیا) وھمّ بھا (یوسف نے عورت سے ارادہ کیا) لولا ان رأ برھان ربّی (لفعل) اگر یوسف خدا کی دلیل نہ دیکھ لیتا تو اس [illegible] کو کر گزرتا)

اس عجیب و غریب معنیٰ اور حُسنِ تحقیق کے بعد اب ان کو ضرورت پڑی کہ اُن روایات کو [illegible]

کریں جن کی بنیادوں پر اُنھوں نے یہ ہوائی قلعہ تعمیر کیا ہے۔

اور دادِ تحقیق دینے کے لیے پہلے ھَمّ (ارادہ) سے متعلق بہت سی لغو اور خرافی روایات پیش فرمائیں اور یوسفؑ معصوم کے ارادۂ پاک سے متعلق وہ سب کچھ منسوب کیا جسے عام شریف انسانوں کی طرف بھی منسوب نہیں کیا جا سکتا اور پھر مناسبِ مقام برھان رب کے لیے بھی وہ بلند پروازیاں کیں کہ طائرِ خیال بھی وہاں تک پہنچنے سے درماندہ ہو کر رہ جائے۔

میں یہ تو جرأت نہیں کر سکتا کہ ان ہفوات کو نقل کروں البتہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ عمل بد تک پہنچنے کے لیے ہمّ کے اس ارادہ کی جس قدر حدود بھی ہو سکتی ہیں وہ تمام نقل کر دی گئی ہیں اور اسی طرح بُرہان رب کے لیے بھی جس قدر خیال آرائیاں اور تخمینی تاویلات ہو سکتی ہیں اُن سب ہی کو بیان کر دیا گیا ہے۔

تفسیرِ بالا کے متعلق محققین کی مدلل رائے

اصولِ درایت و روایت کی روشنی میں اس معنی و مراد اور تفسیری روایات کے متعلق بلند آہنگی کے ساتھ علمارِ سلف و خلف نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ اسلام کا دامن ان ہزلیات سے بالکل پاک ہے اور یہ تمام روایات یہود و منافقین کی تراشیدہ ہیں، اور اسلام دشمنی کے جذبہ سے مجبور ہو کر وضع کی گئی ہیں۔ اس گمراہ کن اقدام میں واحدی کا نمبر سب سے بڑھا ہوا ہے۔ اُس نے اپنی کتاب "بسیط" میں ان تمام خرافات کو بیان کیا ہے اور اُن کی توثیق کے لیے ایسی جرأتِ بیجا اور جسارتِ ناروا سے کام لیا ہے جسے دیکھ کر عقل حیران ہو جاتی ہے۔

بہرحال حضرت علی حضرت ابن عباسؓ اور بعض جلیل القدر تابعین و مفسرین کی جانب اس قسم کی جس قدر روایات بھی منسوب ہیں جو حضرت یوسفؑ کے "ہم" سے متعلق اُن کی عصمت کو مجروح کرتی ہیں، ناقدینِ حدیث اور مبصرینِ روایت و درایت کی نگاہ میں بجز ہفوات و خرافات کے

اور کچھ نہیں ہیں، نہ اُن کی کوئی اصل ہے اور نہ عقل و نقل کے اصول پر وہ قابل قبول ہیں۔ اسی طرح "برھان" کی تاویل میں "بُت" کا واقعہ، حضرت یعقوب کی شبیہ، روح الامین کی شبیہ وغیرہ کے تمام واقعات بے اصل روایات پر مبنی ہیں، اور کتب تفسیر میں محض اُن کا نقل ہونا ہرگز اُن کی صحت کی دلیل نہیں ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

> ان روایات کے ثبوت میں واحدی اور اُس کے ہمنواؤں کے پاس بجز فضول تکلفات اور چند مفسرین کے ناموں کا سہارا لینے کے اور کچھ نہیں ہے، اور اُن کی بیان کردہ روایات میں سے کوئی روایت بھی اس قابل نہیں کہ اس کو روایت کہا جا سکے بلکہ وہ ہفوات و خرافات کا ایک مجموعہ ہیں اور بس، چہ جائیکہ اُن کو قرآن عزیز کی ان صاف اور صریح آیات کے مقابلہ میں پیش کیا جائے جو حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت کی شاہد عدل اور ان روایات کی صریح معارض و مخالف ہیں۔[1]

دوسری جگہ فرماتے ہیں:-

> یہ "معصیت" جس کی نسبت حضرت یوسفؑ جیسے معصوم نبی کی جانب کی جا رہی ہے اور "ھمّ" کی آڑ میں جو کچھ کہا جا رہا ہے ایسا شنیع اور قبیح امر ہے کہ اگر ایک فاسق و فاجر اور بازاری آدمی کی طرف بھی اس کی نسبت کر دی جائے تو حاشا و کلا وہ بھی اس کو برداشت نہ کرے، تو پھر ایک "صدیق کریم" "نبی معصوم" کی طرف اس قسم کے افعال کے معمولی سے معمولی حصہ کی بھی نسبت کرنا کس طرح جائز اور معقول ہو سکتا ہے۔[2]

اور علامہ طیبی ارشاد فرماتے ہیں:-

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۱۱۹۔ [2] ایضاً

"سلف کی جانب ان روایات کی نسبت قطعاً غلط اور غیر ثابت ہے۔ محققین اور نقل روایات کے ماہرین، نے تصریح کی ہے کہ یہ تمام روایات لغو اور بے سر و پا ہیں اور اہل کتاب کی من گھڑت ہیں۔ اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ان روایات کو بعض قابل قبول راویوں نے روایت کیا ہے تو بھی ہمارے لیے یہ بہت آسان ہے کہ ہم ایک نبی معصوم کو ہدف طعن بنا دینے کے مقابلہ میں اُن راویوں پر یہ الزام قائم کر دیں کہ اُن کی یہ تمام روایات اباطیل و اکاذیب کا مجموعہ ہیں[1]۔

مشہور مفسر و امام نحو ابو حیان اندلسی فرماتے ہیں:۔

دلائل کی روشنی میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ یہ تمام روایات ہرگز ہرگز سلف کے اقوال نہیں ہیں اور سندِ روایت کے اعتبار سے ان میں سے ایک بھی صحت کو نہیں پہنچتی۔ یہ سب جھوٹی باتیں ہیں اور ان کے درمیان تضاد و تناقض بھی ہے۔

علاوہ ازیں اس سے قطع نظر کہ ایسی ذلیل بات جبکہ ایک فاسق و فاجر مسلمان بھی اپنی جانب منسوب کرنا گوارا نہیں کرتا چہ جائیکہ ایک ایسی ہستی کی جانب اُس کی نسبت کی جائے جس کی عصمت قطعی اور یقینی ہے۔

کلامِ عرب بھی اس معنی کی موافقت نہیں کرتا، اس لیے کہ یہ معنی اس بات پر موقوف ہیں کہ شرط کا جواب بغیر کسی دلیل کے محذوف مان لیا جائے اور یہ اصولِ نحو کے اعتبار سے قطعاً نادرست ہے۔ بلکہ قاعدہ یہ ہے کہ شرط کا جواب جب محذوف مانا جا سکتا ہے کہ اُس کے حذف پر کوئی ایسا جملہ دلالت کرنے والا پہلے سے موجود ہو جو جواب ہی کے ہم معنی ہو اس کے بغیر جواب کو محذوف قرار دینا قطعاً غلط ہے:۔

---

[1] روح المعانی جلد ۱۱ ص ۱۹۳ ۔

لہٰذا اس مقام پر "ربہٖ" کے بعد "لفعل" کو لو کا جواب محذوف ماننا بلا دلیل ہے اور یہ کسی طرح درست نہیں ہے۔

اور علامہ شہاب الدین خفاجی شرح شفا، قاضی عیاض میں تحریر فرماتے ہیں:-

جن قصے کہانیوں میں "همّ یوسف" کی تفسیر میں کمر بند کھولنے یا اس کے بعد کے اسباب کو عمل میں لانے کا ذکر ہے، سب سرتاسر جھوٹ ہے اور ان کی کوئی اصل نہیں ہے[۲]۔

بہرحال امام رازی، طیبی، خفاجی، ابوحیان اندلسی، بغوی، خازن، رحمہم اللہ یہ مشہور اور جلیل القدر مفسرین و محدثین، دلائل و براہین کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت یوسف (علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ میں جس قدر روایات "عصمت" کے خلاف نقل کی گئی ہیں وہ سب غلط، جھوٹی کہانیاں، اور سراسر بہتان و افترا ہیں اور اُن کو روایت کہنا خود روایت کی توہین کے مرادف ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ عربیت اور نحوی نقطۂ نظر سے بھی آیت کے یہ معنی باطل اور نادرست ہیں۔

آیت کے مرجوح معنیٰ

ان مزخرفات سے الگ ہو کر بعض مفسرین نے ایک دوسرے معنی اختیار کیے ہیں۔

"اور اُس عورت کے دل میں تو اُن کا خیال جم ہی رہا تھا اور اُن کو بھی اُس عورت کا کچھ خیال ہو چلا تھا، اگر اپنے رب کی دلیل کو اُنہوں نے نہ دیکھا ہوتا تو زیادہ خیال ہو جانا عجب نہ تھا[۳]۔

یہ معنیٰ دراصل دو اصولوں پر مبنی ہیں:-

(۱) یہ کہ ہمّ (ارادہ) کے مختلف درجات ہیں۔ سب سے بلند اور آخری درجہ عزمِ صمیم کا ہے۔ یعنی ارادہ اگر اس حد تک پختہ ہو چکا ہے کہ اگر خارجی اسباب درمیان میں حائل نہ ہوں تو اُس کے پورا کرنے اور عمل میں لانے کے لیے کسی دوسری چیز کی ضرورت باقی نہ رہے تو اُس کا نام عزمِ صمیم ہے

---

[۱] البحر المحیط ص ۲۹۵ [۲] نسیم الریاض جلد ۴ ص ۲۶۱ [۳] بیان القرآن جلد ۵ ص ۷۶-۷۷۔

اس کے مقابلہ میں ارادہ کا سب سے کمزور اور ضعیف درجہ ہے۔ اس درجہ میں کسی عمل کی جانب نسان کا میلانِ طبع اضطراری اور طبیعت کے فطری تقاضہ کے زیر اثر ہوتا ہے اور اُس کو خاطر کہتے ہیں باقی درجات ان دونوں کے درمیانی حصے ہیں۔

(۲) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایات میں مروی ہے کہ انسان کے لیے یہ درجہ قابل عفو ہے اور اس کے بعد اُس عمل قبیح سے باز رہنے پر اجر و ثواب ملتا ہے۔

اس لیے حضرت یوسفؑ کا یہ ہمّ (ارادہ) اُسی طرح کا میلان طبعی تھا جس طرح روزہ دار کو شدتِ حرارت میں پانی کی جانب میلان طبعی ہوتا ہے، اور بایں ہمہ وہ پانی پینے کا مطلق ارادہ نہیں کرتا بلکہ اس میلان طبعی پر قابو پانے کی وجہ سے ماجور اور مستحق ثواب ہوتا ہے۔

اس تفسیر میں اگرچہ پہلے معنی اور روایات کی غلط کاری سے پرہیز کیا گیا ہے اور اس میں بھی ذرا شبہ نہیں کہ اس معنی کے اختیار کرنے والے حدیث و تفسیر میں پایہ تحقیق رکھتے ہیں۔

تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ معنی و تفسیر بھی تکلف سے خالی نہیں ہیں، نیز عصمتؑ کے مسئلہ میں بھی اُس حد تک نہیں پہنچتے جو نبوت جیسے عظیم المرتبت منصب کے لیے ضروری ہے۔

تکلف اس لیے ہے کہ اول تو میلانِ طبع کے اضطراری درجہ کو ہمّ (ارادہ) کی جزئی بتانا ر اُس کا ایک فرد تسلیم کرنا محلِ نظر ہے کیونکہ کلامِ عرب سے اس کی کوئی واضح نظیر نہیں ملتی، لغتِ عرب میں میل اور ارادہ کا جو فرق ہے وہ بیّن اور واضح ہے۔

دوسرے لولا ان رأ برھان ربہ سے پہلے "وھمّ بھا" میں ھمّ سے میل طبعی مُراد لینا اور لولا کے محذوف جواب وھمّ بھا میں ھمّ سے ارادہ کے معنی لینا اس فرق کے لیے خود یت کے اندر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ اس طرح ایک معترض کے لیے بحث کی گنجائش باقی رہتی اور عصمتؑ کے بارہ میں بھی یہ اس لیے شافی نہیں ہیں کہ میل طبعی کا درجہ اور ارادہ قوی کی

ی نفی اگرچہ ایک صالح و متقی انسان کے لیے بلاشبہ بڑی فضیلت اور موجب اجر و ثواب ہے لیکن نبوت ا منصب وہ جلیل القدر اور رفیع الشان منصب ہے کہ اس مقام پر "حسنات الابرار سیئات المقربین" بن جاتی ہیں۔ نبی یا نبی بننے والی ہستی کا خمیر تقویٰ و طہارت کے اُن اجزا سے مرکب ہوتا ہے جہاں اس قسم کی نفسانی خواہشات کا ادنیٰ دخل تو کیا معنی گذر بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے یہ معنی اور یہ تفسیر بھی فی الجملہ مائل بہ ضعف ہے اور تکلف و تمہیداتِ خارجہ کی محتاج۔

آیت کے ایک معنیٰ یہ بھی کیے جاتے ہیں اور اس کو مسطورہ بالا معنیٰ پر ترجیح دی جاتی ہے۔

> "عزیز مصر کی بیوی نے یوسف (علیہ السلام) کے ساتھ ارادہ بد کیا اور یوسف (علیہ السلام) نے اس کے ساتھ (دفع ارادہ بد) کا ارادہ کیا۔ اگر وہ برہانِ رب کو نہ دیکھ لیتے تو وہ بھی اُس کے ساتھ ارادہ بد کر بیٹھتے"

اس معنی کی تحقیق دراصل علم معانی کے اُس اصول پر مبنی ہے جو صنعت مشاکلہ کے نام سے موسوم ہے، یعنی "جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا" کی طرح امرأۃ عزیز اور حضرت یوسف علیہ السلام کے ھم (ارادہ) میں محض لفظی مشابہت ہے ورنہ حقیقت کے اعتبار سے دونوں ارادوں میں بونِ بعید ہے ایک ارادہ میں بدی شامل ہے، اور دوسرے کے ارادہ میں اُس کا رد اور اُس کے لیے زجر و توبیخ سامان مہیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ دونوں کے ہمّ (ارادہ) کو ایک ہی جگہ جمع نہیں کیا، اور یوں نہیں کہا "لقد ھمتا جمیعًا" یعنی دونوں نے ایک دوسرے کا ارادہ کیا۔

یہ معنی اپنی ندرت و لطافت کے اعتبار سے اگرچہ خوب ہیں اور منصبِ نبوت کی "صفتِ عصمت" کی بھی تائید و تقویت کرتے ہیں تاہم "لولا ان راٰ برھان ربہ" کے معنی میں ایک قسم کی بے ربطی اور اختلال پیدا کرنے کا باعث ہیں، اس لیے کہ اس صورت میں "لو" کا "محذوف جواب" اگر لفعل کو مانا جائے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے اور اگر "مقتربھا" کو تسلیم کیا جائے تب بھی نادرست ہے کیونکہ اس

کیونکہ اس شکل میں دونوں ھمّت کے درمیان معنوی فرق بیان کرنے میں بلاوجہ تکلفات کرنے پڑتے ہیں۔

آیت کے صحیح معنی

ان غلط یا مرجوح معنی سے الگ آیت کے صاف اور بے تکلف معنیٰ یہ ہیں:-

"اور بلاشبہ عزیزِ مصر کی بیوی نے حضرتِ یوسف سے ارادۂ بد کیا اور حضرت یوسفؑ بھی ارادۂ بد کر لیتے اگر اپنے پروردگار کے بُرہان کو نہ دیکھ چکے ہوتے۔ اور چونکہ وہ بُرہانِ رب دیکھ چکے تھے اس لیے اُنہوں نے اس طرح کا مطلق کوئی ارادہ نہیں کیا"

اسی طرح "برہانِ رب" کے صحیح اور حقیقی معنی علماءِ تحقیق کے نزدیک یہ ہیں۔

(۱) جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: برہانِ رب "نبوت" کا وہ منصب ہے جو انسان کو اس قسم کی تمام تلویثات سے پاک اور مقدس رکھتا ہے۔

(۲) "بُرہان رب" خدائے تعالیٰ کی اُس حجت اور دلیل کا نام ہے جو زنا اور دواعی زنا کی حرمت پر قائم ہے اور بدکار کے پاداشِ عمل کو ظاہر کرتی ہے۔

(۳) انبیاء علیہم السلام کو حق تعالیٰ کی جانب سے ایسی خلقت ودیعت کی گئی ہے جو اپنی فطرت میں ہر قسم کے رذائل سے اُن کو دور رکھتی اور اخلاقِ طاہرہ اور اعمال مقدسہ کو اُن کی جبلت اور طبیعت بنا دیتی ہے اور اسی کا نام "بُرہانِ رب" ہے۔

لہذا جب کبھی کوئی "بدی" اپنا اثر دکھانا چاہتی ہے اُس سے پہلے ہی خدا کا یہ عطا کردہ شرف ڈھال بن کر اُس کے آڑے آجاتا ہے اور صاحبِ شرف و مجد (انبیاء علیہم السلام) کو اُس سے قطعاً دور اور جدا رکھتا ہے۔

صحیح معنی کے دلائل

اس معنی کی صحت کے دلائل میں اپنے دعوے کے مطابق ہم قرآن عزیز کی شہادت سے باہر جانا نہیں چاہتے، اور جبکہ قرآن عزیز کی نصوص قطعیہ اس شہادت کے لیے موجود ہیں تو پھر اس دعوے کے ثبوت کے لیے اس سے بہتر بُرہان اور ہو بھی کیا سکتا

اس سلسلہ میں قرآنِ عزیز کے دلائل دو طرح کے ہیں (۱) خارجی (۲) داخلی۔

خارجی سے یہ مراد ہے کہ آیۃ کے جو معنی اس مقام پر اختیار کیے گئے ہیں، اُس کی نظائر قرآن عزیز ہی میں دوسرے مقامات پر اس طرح موجود ہیں کہ فریق مخالف بھی اُن کے وہی معنی لیتا ہے جو آیت زیرِ بحث میں اختلافی ہیں۔ لہذا ہمارے بیان کردہ معنی کی صحت کا دعویٰ بالکل صحیح اور قطعاً درست ہے۔

اور داخلی دلائل کا مطلب یہ ہے کہ قرآن عزیز کی اس زیرِ بحث آیت کا سیاق و سباق بغیر کسی تاویل و توجیہ کے صراحت کے ساتھ اس معنی کی صداقت کو ظاہر کرتا ہے جو ہم مراد لے رہے ہیں۔

لہذا ان دونوں قسم کی قرآنی شہادتوں کے بعد ہم کو یہ کہنے کا بجا طور پر حق ہے کہ حضرت یوسف کا "قصۂ ہمّ" خود اُن کی "عصمت" پر روشن برہان اور واضح دلیل ہے۔ اور اُس کے خلاف جو توجیہات یا روایات منقول ہیں وہ یا باطل و کاذب ہیں اور یا ضعیف و کمزور، اور "عصمت انبیاء" کے نازک مسئلہ میں ایک لمحہ کے لیے بھی ہم کو ان کی طرف توجہ نہ کرنا چاہیے۔

خارجی دلائل محققین کے نزدیک اس معنی کا مبنیٰ نحو کا یہ قاعدہ ہے کہ لولا الخ شرط کا جواب اُس وقت محذوف ہو سکتا ہے کہ اُس سے پہلے کوئی ایسا جملہ موجود ہو جو اُس جواب پر دلالت کرتا ہو، اور اس کے ہم معنی بھی ہو تاکہ وہ اس حذف کا جو اختصار کے لیے کیا جاتا ہے "قرینہ" بن سکے ورنہ بغیر قرینہ کے اس قسم کا حذف ناجائز اور نادرست ہے۔ لہذا جملہ ولقد ھمت بہ الگ ہے اور "وھمّ بہا" "لولا ان رأ برھان ربہ" سے متعلق ہے۔ گویا اس صورت میں "ھمّ بہا" منفی ہے اور قرآنِ عزیز یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ امرأۃ العزیز نے اگرچہ ارادہ کیا مگر یوسف علیہ السلام نے ہرگز ہرگز ارادہ نہیں کیا۔

اور اس معنی کے ثبوت کے لیے خود آیاتِ قرآنی اور کلامِ عرب شاہدِ عدل ہیں۔

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے متعلق سورہ قصص میں ہے۔

واصبح فؤاد ام موسیٰ فارغا   اور صبح ہوتے موسیٰ کی والدہ کے دل میں قرار نہ تھا
ان کادت لتبدی بہ لولا   قریب تھا کہ ظاہر کردے بیقراری کو اگر ہم نے گرہ
ان ربطنا علی قلبھا۔   نہ دی ہوتی اُس کے دل میں۔

یعنی جبکہ ہم نے اُس کے دل میں گرہ لگا دی تھی تو وہ اپنی بیقراری ظاہر نہ کر سکی، اگر گرہ نہ لگتی تو ضرور ظاہر کر دیتی۔

(۲) اور سورۂ رعد میں مومنین صالحین کے حالات میں ہے:۔

وقالوا الحمد للہ الذی ھدانا   اور وہ کہینگے اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے ہم کو یہاں
لھذا ما کنا لنھتدی لولا ان   (جنت) تک پہنچا دیا اور ہم راہ پانے والے
ھدانا اللہ ۔   نہ تھے اگر ہدایت کرتا ہم کو اللہ تعالیٰ۔

اور چونکہ خدا نے رہنمائی کی اس لیے ہم راہ یاب رہے۔ اور جب آپ یہ کہیں

قارفت الذنب لولا ان عصمك   تو گناہ تک پہنچ ہی گیا تھا اگر تجھ کو خدا نہ بچا
اللہ   لیتا۔

تو اہل عرب اس کے یہی معنی سمجھتے ہیں کہ وہ گناہ کے قریب تک نہیں گیا اس لیے کہ خدا کی عصمت اُس کے ساتھ تھی۔ ٹھیک اسی طرح یہاں بھی یہ معنی ہیں کہ حضرت یوسف بھی ارادہ کر لیتے اگر خدا کا برہان اُن کی راہنمائی نہ کرتا، اور چونکہ برہانِ رب نے راہنمائی کی اس لیے اُنھوں نے ارادہ نہیں کیا لہذا جو حضرات عربیت کے اعتبار سے اس معنی پر اعتراض کرتے ہیں وہ خود مغالطہ میں ہیں۔

تعجب ہے کہ قرآنِ عزیز کی ان آیات کی جانب اُن کی توجہ کیوں مبذول نہیں ہوئی۔

داخلی دلائل حضرت یوسف (علیہ السلام) کے اس واقعہ کی ابتداء سے جو امراۃ عزیز کے ساتھ

پیش آیا اور قید خانہ سے برأت کے ساتھ نکلنے تک جن افراد کا تعلق رہا ہے قرآنِ عزیز کا سیاق و سباق اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ وہ سب حضرتِ یوسف کی "عصمت" کے پُر زور شاہد اور اُن کی برأت کے زبردست حامی ہیں۔

اس واقعہ کے متعلقین حسب ذیل ہیں:۔

عزیز مصر کی بیوی، عزیز مصر، عزیز مصر کی بیوی کے گھرانے کا ایک شاہد، مصر کے شاہی خاندان کی عورتیں، خود اللہ تعالیٰ جل شانہ۔

ہمارا فرض ہے کہ اب ہر ایک متعلقِ واقعہ سے خود شہادت لیں اور معلوم کریں کہ حضرتِ یوسفؑ نے واقعی عزیز مصر کی بیوی کے ساتھ کسی قسم کا بھی ھمّ (ارادہ) کیا تھا جو کم سے کم درجہ میں "میل طبعی" ہی کی حیثیت رکھتا ہو، یا وہ اس قسم کے ہر ایک ارادہ سے پاک رہے اور ان کا دامنِ تقدس اس طرح کے "شائبہ" سے بھی منزّہ ہے۔

عورت کے گھرانے کی شہادت

جب حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کی بیوی سے جان چھڑا کر بھاگے تو دروازہ پر "عزیز مصر" کو موجود پایا، شوہر کو دیکھ کر بیوی نے دوسری چال چلی اور کہنے لگی۔ بتاؤ جو تمہارے اہل کے ساتھ ارادۂ بد رکھتا ہو اُس کی سزا کیا ہونی چاہیے جیلخانہ یا دردناک عذاب؟

حضرت یوسف نے فرمایا کہ میرا قصور مطلق نہیں ہے یہی مجھ کو پھسلانا چاہتی تھی دونوں کے بیان متضاد تھے مکان بند تھا شہادت کیسے میسر ہو اور عزیز مصر خلجان میں ہے کہ کس کو سچّا یقین کرے اور کس کو جھوٹا سمجھے، کہ عورت ہی کے خاندان کے ایک مردِ دانا نے یہ شہادت دی۔

وشہد شاہد من اہلہا	عزیز مصر کی بیوی کے خاندان میں سے ایک
ان کان قمیصہ قد من قبل	شخص نے یہ شہادت دی کہ اس بھاگ دوڑ

فصدقت وھو من الکٰذبین و	ہیں اگر یوسف کا قمیص آگے سے چاک ہوا ہے
ان کان قمیصہ قد من دبر فکذبت	تو عورت سچی اور یوسف جھوٹا ہے اور اگر قمیص
وھو من الصّٰدقین ہ فلما رأ	پیچھے کی جانب سے چاک ہے تو یوسف سچا
قمیصہ قد من دبر	اور عورت جھوٹی ہے پس عزیز مصر نے جب دیکھا
(سورۂ یوسف)	کہ دامن پیچھے سے چاک ہے۔

عقلمند گواہ کی یہ بہترین شہادت چونکہ عقل کے عین مطابق اور یقین اور حق تک پہنچانے والی تھی، بنابریں عزیزِ مصر نے اس کو پسند کیا، دیکھا تو قمیص پیچھے سے پھٹا ہوا ہے اور زبانِ حال سے حضرت یوسف کی صداقت کا شاہد۔

عزیزِ مصر کی شہادت

عزیزِ مصر حقیقت حال کو جب خوب سمجھ گیا تو اُس نے فوراً حضرت یوسف کی تصدیق اور عورت کی تکذیب کے حق میں یہ فیصلہ صادر کردیا۔

قال انہ من کیدکن ان کیدکن	عزیز مصر نے کہا یہ بیشک تم عورتوں کے فریب
عظیم . یوسف اعرض عن	میں سے ایک فریب ہے۔ بلاشبہ تمہارا چرتر
ھٰذا واستغفری لذنبك	بہت بڑا ہے۔ یوسف تو اس ذکر کو جانے دے اور
انك کنتِ من الخٰطئین .	اے عورت تو اپنے گناہ کی معافی چاہ، بیشک تو
(سورۂ یوسف)	ہی خطاکار تھی۔

خاندانِ شاہی کی عورتوں کی شہادت

بہرحال شاہی عزت و ناموس کے تحفظ کی خاطر حضرتِ یوسف قیدخانہ میں بھیج دیے گئے اور طویل مدت کے بعد ایک خاص واقعہ پیش آجانے پر عزیز مصر کی جانب سے ایک قاصد رہائی کا پروانہ لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس وقت حضرت یوسف نے فرمایا میں اُس وقت تک ہرگز جیل خانہ سے باہر نہیں آسکتا جب تک اُس

معاملہ کی صفائی نہ ہو جائے جو عورتوں کے کر و فریب کی بدولت الزامی صورت میں میرے ساتھ پیش آیا۔

قال ارجع الی ربك فسئله ما بال النسوة اللّٰتی قطعن ایدیهن ان ربی بکیدهن علیم ۝	پھر جب یوسف کے پاس عزیز کا بھیجا ہوا آدمی پہنچا تو اُس نے کہا واپس جا اپنے مالک کے پاس اور اُس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا حال اب کیا ہے جنہوں نے مجھے دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے میرا پروردگار اُنکے مکر سے خوب واقف ہے یعنی میرے بارہ میں اُن کا کیا خیال ہے؟
قلن حاش للّٰه ما علمنا علیه من سوء	عزیز مصر کے سوال کے جواب میں اُن عورتوں نے متفقہ طور پر کہا کہ حاشا للہ ہم نے اُس میں متعلق کوئی بُرائی نہیں دیکھی۔

یعنی وہ اُس الزام سے قطعاً بری اور پاک ہے جو آج تک اُس کے متعلق ہم نے یا تیری بیوی نے لگایا ہے۔

عزیز مصر کی بیوی کی شہادت

حضرت یوسف کے مخالف فریق ہی کے گھرانے اور اہل خاندان کی یہ تین شہادتیں ہیں جو حضرت یوسف کو "معصوم" اور "مقدس و مطہر" بتاتی اور اس حقیقت کا صاف صاف اظہار کرتی ہیں۔

لیکن ان تینوں شہادتوں سے بھی زیادہ موثر خود فریق مخالف کی اقراری شہادت ہے جس کے بعد پھر کسی شہادت کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ یہ شہادت عزیز مصر کی بیوی کی ہے۔ اس نے حضرت یوسف کی "عصمت" اور اپنی گمراہی کا دو مرتبہ اعتراف کیا ہے۔ اوّل مصر کی حسین عورتوں

کے سامنے اُس نے اقرار کیا جبکہ وہ اس کو یہ طعن دیتی تھیں کہ وہ اپنے غلام پر فریفتہ ہے۔

اور دوسری شہادت جو آخری قطعی، اور فیصلہ کن شہادت ہے اسی موقعہ پر مذکور ہے جہاں حضرت یوسف کے زندان سے نکلنے کا تذکرہ ہے

امراۃِ عزیز نے جب طعن و تشنیع سے تنگ آکر عورتوں کو جمع کیا اور عورتوں نے حضرتِ یوسف کا جمال اور سیرتِ طیبہ کا کمال دیکھ کر اُن کو "برگزیدہ فرشتہ" کا لقب دیا اور ساتھ ہی مکر و فریب سے فریفتگی و شیفتگی ظاہر کرنے کے لیے ترنج کی جگہ چھری سے اپنے ہاتھ زخمی کرلیے تو اُس نے کہا:۔

قالت فذلکن الذی لمتننی فیہ	عورت نے کہا یہ وہی ہے جس کے متعلق تم نے مجھ کو
ولقد راودتہ عن نفسہ	طعنہ دیا اور بلاشبہ میں نے ہی اُس کو پھسلایا تھا مگر وہ
فاستعصم ولئن لم یفعل	صاف بچا رہا اور معصوم ثابت ہوا، اور اگر وہ میرے
ما امرہ لیسجنن ولیکونا من	کہے کو پورا نہ کریگا تو بیشک قید میں پڑیگا اور ہوگا
الصّٰغرین ٥	بے عزت۔

جب حسینانِ مصر نے عزیزِ مصر کے سامنے یہ شہادت دے دی کہ تیری عورت کا الزام قطعاً بے بنیاد تھا اور یوسف معصوم و پاکباز ہے تو اب کوئی چارۂ کار نہ دیکھ کر عزیزِ مصر کی بیوی کو بھی آخر اقرار کرنا پڑا۔

قالت امرأتُ العزیز الئٰن حصحص	عزیزِ مصر کی بیوی نے کہا اب سچی بات کھل گئی۔
الحق انا راودتہ عن نفسہ و	میں نے ہی اُس کو پھسلایا اور وہ بالکل سچا اور پاکباز
انہ لمن الصّٰدقین ٥	ہے اور اس قسم کے ہر ایک ارادہ سے پاک صاف ہے۔

عدالتوں میں سب سے اہم قانون "المرء یوخذ علی اقرارہ" (آدمی اپنے اقرار پر ماخوذ ہے) ہے لہٰذا عزیز کی بیوی کے بار بار یہ اقرار کرنے کے باوجود کہ خطا میری تھی اور یوسف ہر قسم کے ارادہ سے

پاک وصاف ہے، ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر کونسی مصیبت ہم کو مجبور کرتی ہے کہ ہم اُن ہفوات و خرافات کو صحیح سمجھیں جو افترا پردازی سے سلف صالحین رحمہم اللہ کی جانب منسوب کی گئی ہیں یا حضرت یوسف کے ارادہ کا تجزیہ کر کے میلِ نفس کا اقرار کریں۔ اور پھر اُسے میلِ اضطراری کہہ کر حضرت یوسف کو خطا سے بری کریں۔

ان انسانی شہادتوں کے بعد اب عالم الغیب والشہادہ کی شہادتِ حق کا بھی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

یہ شہادتیں ایک سے زائد موقعوں پر اس واقعہ کے سیاق و سباق میں موجود ہیں۔ اور حضرت یوسفؑ کی برأۃ و عصمت کو واضح اور مستحکم کر رہی ہیں۔

(۱) انسان کو رذائل سے محفوظ رکھنے اور اخلاقِ عالیہ تک پہنچانے کے لیے خدائے تعالیٰ نے بہترین ذریعہ علمِ صحیح اور قوتِ فیصلہ کو قرار دیا ہے اور جس پر جس قدر ان دونوں کا فیضان عالمِ قدس سے ہوتا ہے وہ اُسی قدر بلند اور رفیع مرتبہ پر پہنچایا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے ارشاد باری ہے۔

ولمّا بلغ اشدّہٗ اٰتینٰہُ حکمًا	اور جب وہ سنِ رشد کو پہنچ گئے تو ہم نے
وعلمًا وکذٰلک نجزی	اُن کو قوتِ فیصلہ اور علم بخشا، اور ہم اسی طرح
المحسنین (سورہ یوسف)	نکوکاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔

(باقی)